مولانا عبدالستار فانی ناظمِ نشر و اشاعت
انجمن حفاظ اہلِ بیت

عصمتِ انبیاء علیہم السلام!

حضرات انبیاء علیہم السلام کے بے شمار فضائل ہیں - اس مقدس گروہ کے فضائل کو احاطہِ تحریر میں لانا انسانی طاقت سے باہر ہے - اس صحبت میں ہم انبیاء علیہم السلام کی خاص فضیلت "عصمتِ انبیاءؑ" کا ذکر کریں گے - اصل موضوع کا آغاز کرنے سے قبل چند تمہیدی باتوں کا تذکرہ اور چند اعمال و احوال کا سرسری جائزہ لینا ضروری خیال کرتے ہیں - تاکہ یہ ابتدائی باتیں منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے "مینارِ راہ" ثابت ہوں اور ساتھ ساتھ اس مقدس گروہ کی محبت و الفت میں زیادتی کا باعث اور ان نفوسِ قدسیہ کے ساتھ تعلق و ربط میں اضافہ کا موجب ہوں - نیز ان کو سمجھنے سے "وجوہِ عصمت" (جو آگے بیان ہوں گی) بھی خوب ذہن نشین ہو جائیں گی -

۱ - دنیا میں عظیم کارنامے سر انجام دینے والی یہ ہستیاں ہمیشہ غیر معمولی درجے کی شخصیتوں سے آراستہ اور اخلاقِ حسنہ سے پیراستہ ہوتی ہیں - اصلاحی کام، تحریکوں کی راہنمائی، تہذیبوں کی تعمیرِ نو، انقلاب برپا کرنے والوں کی اصل قوت ان کی شخصیت ہی ہوتی ہے جو خاص طرح کے افکار و کردار سے نشو و نما پاتی ہے -

یہ حقیقت بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ دنیا میں افضل ترین خلائق حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں - کیونکہ لطفِ یزدانی ان نفوسِ مطہرہ کا خاص حمد اور فضلِ ربانی ان کا خاص معاون ہوتا ہے - ان صاحبانِ صدق و فراست اور مالکانِ حسنِ کیاست پر خدا کی طرف سے انوار و تجلیات کا بے پناہ فیضان ہوتا ہے - اسی وجہ سے یہ "پاکیزہ گروہ" ہر وقت، ہر لحظہ حق تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے مستعد رہتا ہے اور دنیا میں خدا کے خلیفہ کی حیثیت رکھتا ہے - معرفتِ الٰہیہ

کا سب سے زیادہ عالم، خداوند تعالیٰ کے انوار سے مستفید اور ان کی تجلیات کے ہر وقت استحضار سے مستنیر ہوتا ہے۔ الغرض جتنے اوصاف وکمال خدا کی ذات کے علاوہ کسی ہستی میں جمع ہو سکتے ہیں وہ یہی انبیاء کرام کا مقدس گروہ باشکوہ ہے۔ مختصر یہ کہ اپنے اپنے دور کے ہر نبی کو "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کا مصداق ماننا ضروری ہوتا ہے۔

اس پاک گروہ کی مثال "سراج منیر اور قمر مستنیر" کی سی ہے، کہ جن کے انوارِ روحانی اور برکاتِ معنوی سے ساری دنیا کو روشنی ملی اور وہ تمام چاند اور سورج بہ تمام وکمال اپنی اسی بے مثال آب وتاب کے ساتھ درخشاں اور تاباں ہیں مگر ہماری ارواح ان مادی اجسام کے پنجرے میں مقید ہونے کی وجہ سے ان کی درخشندگی اور تابناکی کے باوجود ان کو اپنی گرفت ادراک میں نہیں لا سکتیں۔ تمام انبیاء کرام شموس ہدایت اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم شمسِ اعظم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس قدر عزت ووقار اور احترام واکرام ختم الانبیاء کو حاصل ہوا کسی اور کو نصیب نہ ہوا۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

جو انبیاء بھی آئے امام الامم ہوئے
کل انبیاء کی جس نے امامت حضور ہیں
لا تیئسوا، خدائے غفور رحیم ہے
لا تقنطوا! شافع امت حضورؐ ہیں
کل کائنات قدرتِ حق کا صحیفہ ہے
اور اس میں "آیتِ رحمت" حضورؐ ہیں

ہمارا مقصد اس تمہیدی گفتگو سے صرف اتنا ہے کہ روئے زمین پر سب سے زیادہ پاکباز صرف یہی "گروہِ خاص" ہے۔ اور رحمتِ عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام کے سردار اور امام ہیں۔ اور یہی وہ مقدس جماعت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایتِ وحی سے نوازا، صلی اللہ علیہم اجمعین!

۲۔ انبیاء علیہم السلام کے تمام احوالِ زندگی، دوسرے لوگوں سے بالکل مختلف اور اطوارِ حیاتِ عام انسانوں سے یکسر متبائن ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس گروہ خاص کی تعلیم وتربیت کا اہتمام وانصرام براہِ راست مالک الملک کی نگرانی اور شانِ ربوبیت کے تحفظ کے تحت ہوتا ہے۔ اس لئے عہدِ طفولیت، عالمِ شباب، وقتِ کہولیت اور عرصۂ شیوخیت کے حالات بھی اوروں سے جدا ہوتے ہیں اور ان کے صفات بھی سب سے ممتاز اور خصائل وفضائل بھی یگانۂ روزگار ہوتے ہیں، فرمانِ خداوندی ہے:

"اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب"

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور جو اس کی طرف ذوقِ انابت رکھے، اس کو ہدایت سے بہرہ ور فرما دیتا ہے۔"

معلوم ہوا کہ عطاءِ رسالت اور نصیب ہدایت کی الگ الگ شرائط ہیں اور جدا جدا قواعد و ضوابط! جیسا کہ دیگر مقام پر اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

"اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ"

کہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ گوہرِ رسالت کے لئے کون سا صدف موزوں اور مناسب ہے!

ان ہر دو آیات سے مترشح ہوتا ہے کہ نبوت کا ملنا خاص "ملکات موہوبہ" اور "صفات ستودہ" پر موقوف ہے اور یہ "جوہرِ نفیس" وہبی ہے، کسبی نہیں۔ جیسا کہ بعض فلاسفروں نے خامہ فرسائی کی ہے۔

۳۔ خلعتِ نبوت اور تاجِ رسالت سے سرفراز ہونے کے بعد یہ گروہِ خاص، اپنی امتوں کے لئے اسوۂ حسنہ بن جاتے ہیں۔ ان کا ہر قول و فعل، گفتار و کردار اور نشست و برخاست کا انداز لوگوں کے لئے مستقل دعوت کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ ان کی تمام حرکات و سکنات مرضیاتِ الٰہیہ کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ "وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" اور "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" میں اسی عقدہ کی گرہ کشائی کی گئی ہے۔

۴۔ حضرات انبیاء کے قلوب و اذہان قبل از بعثت بھی اس قدر مزکی اور مصفی ہوتے ہیں، کہ عالمِ رؤیا اور عالمِ بیداری کے حالات ان کے سامنے یکساں ہوتے ہیں۔ باطنی انوار و لمعات کی وجہ سے سامنے اور پیچھے برابر دیکھتے ہیں[1]۔ ان کی معصومانہ فطرت اور پاکیزہ جبلت تمام لوگوں کے لئے قابلِ رشک بن جاتی ہے۔ مختصراً صورتاً بشر اور سیرتاً ملک ہوتے ہیں۔ خیر خواہ اور بدخواہ دشمن سے یکساں سلوک کرتے ہیں۔ درشت روئی یا تند خوئی سے پیش نہیں آتے۔

۵۔ انبیاء علیہم السلام کے نفوس پیدائشی اور جبلی طور پر مطمئنہ ہوتے ہیں یعنی فطرتاً گناہ سے دور اور معصیت سے نفور ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ انسان کا قدیمی دشمن (شیطان) بھی ان کے تقدس و تقویٰ کو دیکھ کر ان کے سامنے سرنگوں اور اخلاق و اقدار کو دیکھ کر ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ "الا عبادك منھم المخلصین" اسی بات کی غماز ہے۔ بلکہ یہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"لا یتمثل صورتی"

---

[1] لیکن جسقدر خدا تعالیٰ چاہے۔

"شیطان میری صورت نہیں اختیار نہیں کرسکتا"

. . . لہٰذا جس نے مجھے بحالتِ خواب دیکھا، اس نے مجھی کو دیکھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبتِ باعظمت سے بعض افراد کو بھی یہ اعزاز حاصل ہوا، فرمانِ نبویؐ ہے:

"اے عمرؓ، شیطان تم سے خائف ہے، حد یہ ہے کہ جس گلی سے تم گذرتے ہو، شیطان وہ گلی ہی چھوڑ دیتا ہے۔"

۶ - انبیاء علیہم السلام کی بے مثال قوت علم اور عدیم النظیر قوتِ عمل کے مکمل اثرات، ان کے شرفِ صحبت سے مستفید ہونے والے ساتھیوں پر پڑتے ہیں تو وہ بھی انسانیت کے لئے نمونۂ کامل بن جاتے ہیں۔ رشد و ہدایت کے مینار اور حق و صداقت کے معیار بن جاتے ہیں۔ ان کے ہر معاملہ میں ان کی نیک نیتی، بے لوث خدمتِ خلق، بے پناہ دینی جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبت اور مجالست کا اثر اس قدر حیرت انگیز اور نتیجہ خیز ہوتا ہے کہ ان کی محفل میں بیٹھنے والے "مخلصین" بھی لوگوں کے لئے "مشعل راہ" بن جاتے ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم!

تعریف عصمت:

لغوی تعریف: کلام عرب میں یہ لفظ لازمی اور متعدی دونوں طرح سے مستعمل ہے، اور اس کے معنی روکنا، بچانا اور محفوظ کرنا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے:

"واللہ یعصمك من الناس" (المائدۃ)

"اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کے شر سے بچانے والے ہیں۔"

"من ذالذی یعصمك من اللہ" (الاحزاب)

"اللہ کے سوا آپ کو کون بچانے والا ہے؟"

"یعصمنی من الماء" (ھود)

(پہاڑ) مجھے پانی سے بچالے گا!

"لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم"

آج کے دن اللہ کے حکم سے کوئی بچنے والا نہیں مگر جس پر رحم کیا گیا۔

"مالکم من اللہ من عاصم"

"اللہ تعالیٰ سے تمہیں کوئی بھی بچانے والا نہیں!"

حدیث پاک ہے:

"فاذا فعلوا ذالك" عصموا "منی دماءهم واموالهم"

کہ "اگر وہ احکامِ شرعیہ کی پابندی کریں تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ان کے چچا ابو طالب نے ایک قصیدہ کہا تھا، جس کا ایک مصرعہ یوں ہے:

"ثمال الیتامیٰ، عصمة للارامل"

یتیموں کا سہارا، بیواؤں اور مسکینوں کے لئے "پیکرِ حفاظت"!

لسان العرب میں ہے:

"العصمة فی کلام العرب المنع وعصمة اللہ عبدہ ان یعصمه مما یوبقه"

"عصمت" کلام عرب میں "باز داشتن" کے معنی میں مستعمل ہے اور اس میں مستعمل محاورہ "عصمۃ اللہ عبدہ" کے معنے یہ ہیں کہ "خدائے بزرگ و برتر نے اپنے بندے کو اسبابِ ہلاکت سے بچا لیا"

مذہبی نقطہ نظر سے انسان کے لئے موجبِ ہلاکت "معصیت" ہے۔

معصیت کیا ہے؟

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"ان کل خلاف لامر آمر فصورته صورة المعصیة فیسمی معصیة لذالك وغوایة الا انه منه مایکون من عمد وذکر فهذه معصیة علی الحقیقة لان فاعلها قاصد الی المعصیة وهو یدری انها معصیة" (الملل والنحل ص۲، ج۴)

ہر کام جو حکمِ حاکم کے خلاف ہو، وہ ظاہری طور پر دائرہ معصیت میں داخل ہے۔ لیکن درحقیقت معصیت یہ ہے کہ انسان دانستہ بہ قائم حواس خمسہ حکمِ حاکم کی خلاف ورزی کرے اور اسے معلوم ہو کہ وہ عمداً خلاف ورزی کر رہا ہے۔"

یعنی عمداً خلافِ شرع کرنے کا نام شریعت میں معصیت ہے، آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ کون کونسی صورتیں اس تعریف سے خارج ہو جاتی ہیں۔

اصطلاحی تعریف :

"عصمت کے لغوی معنی اور معصیت کی تعریف کے بعد ہم " اصطلاحی عصمت " کا بیان کرتے ہیں :
امام ماتریدی فرماتے ہیں کہ :
" عصمت اللہ تعالیٰ کا وہ خصوصی فضل اور امتیازی انعام ہے جس کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام ہر آن حق تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لئے مستعد و تیار رہتے ہیں اور کسی وقت بھی معمولی نافرمانی یا ادنیٰ سی خلاف ورزی کا خیال تک نہیں لاتے "
چنانچہ قرآنِ مجید نے بھی اسی معنیٰ میں ایک مقام پر لفظِ عصمت " استعمال کیا ہے ۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کے متعلق " امرأت عزیز " نے " نسوۃ مدینہ " سے کہا :
"ولقد راودته عن نفسه فاستعصم " (یوسف)
کہ میں نے اپنی خواہشِ نفسانی پوری کرنے کے لئے اس پر ہر طرح سے ڈورے ڈالے لیکن اس نے " عصمت " کی راہ اختیار کرتے ہوئے اپنے " دامنِ تقدس " کو غبارِ عصیان سے آلودہ نہ ہونے دیا ۔
اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے معصیت و نافرمانی کا اختیار ملائکہ کی طرح مسلوب ہو جاتا ہے اور ان کے قوئ نفسانیہ ختم کر دیئے جاتے ہیں بلکہ اختیار و قدرت بدستور اور انسانوں کی طرح باقی ہوتے ہوئے بھی نافرمانی اور خلاف ورزی کا ہر داعیہ ان کے دواعی خیر ، کے تحت ایسا مٹا ہوا ہوتا ہے کہ اس " داعیہ شر " کے ابھرنے کا امکان و قوعی باقی نہیں رہتا ۔
"العصمة ملكة نفسانية تمنع عن الفجور وتتوقف على العلم بمثالب المعاصي ومناقب الطاعات ويتاكد في الانبياء بتتابع الوحي على التذكير والاعتراض على التذكير والاعتراض على ما يصدر عنهم سهواً والعقاب على ترك الاولى"
یعنی عصمت ایک قوت ہے جو انسان کو برائی سے باز رکھتی ہے اور گناہوں کے معائب اور طاعات کے محاسن جاننے پر موقوف ہے اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں ان سے سہواً سرزد ہونے والے کسی کام پر جو مسلسل وحی آتی رہتی ہے ، پختہ اور مضبوط ہو جاتی ہے ۔ اعتراض ہونے یا ترک اولیٰ پر عتاب و وعید آنے سے اور زیادہ پختہ ہو جاتی ہے ۔"

اس تعریف سے صاف ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے بوجہ نفوس مزکی اور مسلسل وحی آنے سے عمداً خلافِ شرع کام کا ارتکاب نہیں ہوتا۔

حقیقتِ عصمت!

یہ بات علمِ اخلاق میں روزِ روشن کی طرح واضح اور تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ پروردگارِ عالم نے انسان کو دو متضاد قوتوں سے پیدا کیا ہے اور یہ دونوں قوتیں آپس میں ازل سے ستیزہ زن ہیں ان دونوں میں سے غالب آنے والی قوت کا اثر خیر و شر سے ظاہر ہوتا ہے۔ اگر انسان مختلف مراتب کی مسافت قوائے نفسانیہ کو حدِ اعتدال پہ رکھ کر طے کرے گا تو وہ "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" کا مصداق ٹھہرے گا اور اگر اس کے برعکس قوائے نفسانی کا "تابع محض" بن جائے تو اوجِ ثریا سے قعرِ مذلت میں جا پڑتا ہے اور "ثم رددناہ اسفل السافلین" کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ یعنی اس انسان کو "خیر و شر" دونوں قسم کی قوتیں عطا کی گئی ہیں، وہ گناہ بھی کر سکتا ہے اور نیکی بھی، ارادۂ بد کا حامل بھی ہے اور ارادۂ خیر کا بھی۔ اہمال و اغفال کی بناء پر "خسر خسراناً مبیناً" اور اطاعت بجالانے اور مجاہدات و ریاضات سے "فاز فوزاً عظیماً" کا مصداق بن جاتا ہے اور یہی چیز اس کے انسانی شرف کا طغرائے امتیاز ہے۔

انہی متضاد قوتوں کے حامل انسانوں میں بعض نفوسِ قدسیہ ایسے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ انسانی رشد و ہدایت کے لئے چن لیتا ہے اور ان کو اپنا رسول اور ایلچی بنا لیتا ہے۔ اسی سلسلۃ الذہب کی پہلی کڑی حضرت آدم علیہ السلام اور آخری خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

جب کوئی نفسِ قدسی "منصبِ رسالت" کے لئے منتخب ہو جاتا ہے تو اس کے لئے یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ وہ عمل و فکر اور ارادہ کی زندگی میں ہر قسم کے گناہوں سے مبرا اور ہر قسم کی آلائشوں سے منزہ ہو تاکہ منصبِ رسالت کے فرائض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔ اس لحاظ سے ہر نبی کی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک طرف وہ بشر اور انسان بھی ہے اور بشری لوازمات سے وابستہ بھی۔ اور دوسری طرف وہ زندگی میں ہر قسم کے عملی اور فکری گناہوں سے پاک ہے۔ لہٰذا اس کی زندگی میں بیک وقت بشریت اور ملکیت کی جھلک نظر آتی ہے۔ یعنی صورتاً بشر اور سیرتاً ملک! اگرچہ وہ دوسرے ہم جنس انسانوں کی طرح متضاد قوتوں کا حامل ضرور ہے لیکن اس کی نظافت و طہارت کے پیشِ نظر عمل و ارادہ میں اس سے ہر قسم کی بدی کے ظہور کو

ناممکن اور ارتکابِ معاصی کو محال قرار دے دیا گیا ہے تاکہ اس کا ہر عمل یعنی گفتار و کردار، نشست و برخاست، حرکت و سکون کائنات کے لئے اسوۂ حسنہ اور مثالی نمونہ بن سکے۔ لیکن بشریت چونکہ اس کی جبلت میں مرکوز ہے، اس لئے "سہو" "نسیان" اور "لغزش" کا امکان وقوعی باقی رہتا ہے۔ اور کبھی کبھی یہ امکان عملی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن اس پر اس کو عام انسانوں کی طرح ہمیشہ برقرار نہیں رکھا جاتا بلکہ اسے فوراً متنبہ کر دیا جاتا ہے تاکہ اس سے کنارہ کش ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب کبھی ایسا موقع آتا ہے تو فوراً اپنے کئے پر ندامت کے آنسو بہا کر اپنے دامن کو اجلا کر لیتا ہے۔

لیکن اس بات کی وضاحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ حضرات انبیاء کرام سے جو کام بھی سرزد ہوتا ہے اس میں قصد اور ارادہ کا بالکل دخل نہیں ہوتا۔ دوسری طرف وہ کام اپنے اندر جواز کا درجہ بھی رکھتا ہے۔ لیکن چونکہ کرنے والے کی شان کے منافی ہوتا ہے بلکہ اس کے مقامِ بلند کے سامنے بالکل ہلکا نظر آتا ہے۔ لہٰذا فوراً اس کو تنبیہ دی جاتی ہے کہ یہ عمل تمہاری ذات، جلالتِ قدر کے لائق نہیں۔ بلکہ غیر مناسب ہے۔

مگر اس لئے کہ "برگزیدہ" کو خدا کی مرضی سمجھنے میں کیوں غلطی لگی، اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے تو اس کے کردار کو نہایت دھمکی آمیز لہجہ میں ذکر فرماتا ہے، پھر کسی دوسرے مقام پر معاملے کی اصلیت کو واضح کر کے اپنے خاص "نفسِ قدسی" کی غلط فہمی کو "سہو و نسیان" ہی کی حدیں لے آتا ہے اور اس پر خود ہی مغفرت کی مہر لگا دیتا ہے تاکہ آئندہ کے لئے کسی ملحد یا زندیق کو ان "نفوسِ قدسیہ" کے متعلق "زبان درازی" کی جرأت نہ ہو اور ان پر گناہ کا بے جا الزام لگانے کی جسارت نہ کر سکے۔

پس یہی "عصمت" کی حقیقت ہے اور یہی، اسلامی عقائد میں سے ایک بنیادی عقیدہ ہے۔

مختصراً یہ کہ حضرات انبیاء کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) سے جو کچھ بھی لائق سرزنش سرزد ہوتا ہے، اس میں ارادہ اور تعمد کو قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ نادانستہ طور پر اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔

پھر چونکہ وہ خدائے لم یزل کے خصوصی مقرب ہیں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی حفاظت اور نگرانی میں رہتے ہیں۔ لہٰذا فوراً ہی وحی کے ذریعہ ان کو متنبہ کر دیا جاتا ہے

کہ یہ کام آپ لوگوں کو زیب نہیں دیتا - تو بنی فوراً اپنی جبینِ نیاز کو بارگاہِ صمدیت میں جھکا دیتا ہے - چنانچہ اللہ تعالیٰ بھی ان کو مغفرت کا پروانہ عطا فرما کر ان کی بریت کا اظہار کر دیتے ہیں - واللہ اعلم!

(باقی آئندہ ان شاء اللہ!)

آپ کے نام آنے والے شمارہ پر اگر "آپ کا چندہ ختم ہے" کی مہر لگی ہوئی ہے تو آپ براہ کرم فی الفور اپنا زرِ سالانہ بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمادیں - ورنہ اس سے اگلا شمارہ آپ کے نام بذریعہ وی.پی.پی ارسال کیا جائے گا جس کو وصول کرنا آپ کا اخلاقی اور دینی فریضہ ہوگا -

مینجر